کیا خُدا واقعی ہر چیز کو چھ دنوں میں تخلیق کر پایا ہوگا؟

از: کین حام اور ٹم لویٹ   مترجم: ندیم میسی

یہ کیوں اہم ہے؟

اگر تخلیق کے دن حقیقت میں کئی ملین سال طویل ادوار تھے تو پھر انجیل کے پیغام کی تو اپنے آغاز پر ہی جڑیں کٹ جاتی ہیں، کیونکہ تخلیق کے دنوں کے کئی ملین سالوں پر محیط ادوار کا نظریہ انسان کے گناہ میں گرنے سے پہلے ہی موت، بیماریوں، اونٹ کٹاروں اور کانٹوں اور دکھ تکالیف اور مصیبتوں کے وجود کی بات کرتا ہے۔ تخلیق کے دنوں کو ارضیاتی ادوار کے طور پر بیان کرنے کی کوشش کلام مُقدس کو ایک غلط انداز سے دیکھنے کا نتیجہ ہے ـــــ اِس غلط انداز کو ہم گناہگار لوگوں کے ناقص و بے بنیاد نظریات کی بناء پر خُدا کے کلام کی نئے سرے سے تشریح کرنا کہتے ہیں۔

ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ پیدایش 1 باب کو پڑھتے ہوئے اُن تمام بیرونی اثرات کو اپنے ذہن سے دور رکھا جائے جو اِس باب میں بیان کردہ ''دن'' کے حوالے سے انسانوں کی طرف سے پہلے سے تعین کردہ معنی و مفہوم آپکے ذہن میں ڈالنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اِس حوالے میں بیان کردہ لفظ بالکل سادہ انداز میں دیکھتے ہوئے اُسے اپنے آپ سے کلام کرنے دیں۔ مسیحیوں کی ایک اکثریت (بشمول بہت سارے مسیحی رہنما) خاص طور پر مغربی دُنیا میں اِس بات پر زور نہیں دیتے کہ تخلیق کے یہ دن عام دنوں کی طوالت رکھنے والے دن ہی تھے، اور اُن میں سے بہت سارے بیرونی اثرات کی وجہ سے یہ مانتے اور سکھاتے ہیں کہ یہ دن لمبی طوالت کے ادوار تھے ـــــ حتیٰ کہ کئی ملین یا بلین سالوں پر محیط ادوار۔

خُدا ہمارے ساتھ کیسے رابطہ رکھتا ہے؟

خُدا ہمارے ساتھ رابطہ زبان کے ذریعے کرتا ہے۔ جب اُس نے پہلے انسان یعنی آدم کو تخلیق کیا تو اُس نے اُس کی ذات کے اندر زبان کے متعلقہ چیزوں کو بھی تخلیق کیا تا کہ انسان اُسے رابطے کے لئے استعمال کر سکے۔ انسانی زبان ایک خاص قرینے سے ترتیب دیئے ہوئے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جو اُس کے اردگرد کے تمام حقائق کو بیان کرتے ہیں۔ پس خُدا انسان پر کئی چیزیں ظاہر کر سکتا ہے اور انسان بھی خُدا کیساتھ رابطہ کر سکتا ہے، کیونکہ الفاظ کے خاص معنی ہوتے ہیں جو ایک قابل ادراک پیغام دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو پھر ہم کس طرح ایک دوسرے کیساتھ یا خُدا کے ساتھ رابطہ رکھ سکتے تھے؟

''لمبے دن'' کیوں؟

رومیوں 3 باب 4 آیت بیان کرتی ہے کہ ''بلکہ خُدا سچا ٹھہرے اور ہر ایک آدمی جھوٹاؕ''

ہر اُس موقعے پر جہاں کہیں کوئی تخلیق کے دنوں کو عام اور حقیقی دنوں کے طور پر قبول نہیں کرتا، وہاں وہ شخص کلام مُقدس

کے الفاظ کو سیاق وسباق کی روشنی میں جیسے کہ زبان باہمی رابطے کے لئے تقاضا کرتی ہے اپنے ساتھ درست طور پر کلام نہیں کرنے دیتا۔ ایسے لوگ کلام مُقدس سے باہر کے نظریات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے ایسا رویہ اپنا لیا ہے جس کی وجہ سے پڑھنے والا کسی بھی لفظ کی اپنے ذہن میں پہلے سے موجود نظریات وتصورات کے مطابق نئی تفسیر یا تشریح کرسکتا ہے۔ اگر یہی رویہ جاری رہا تو بالآخر اِس سے باہمی رابطے میں خلل اور بگاڑ پڑ جائے گا کیونکہ ایک ہی لفظ اُسی سیاق وسباق میں مختلف لوگوں کے لئے مختلف معنی رکھے گا۔

کلیسیائی فادر صاحبان

ابتدائی کلیسیا کے زیادہ تر فادر صاحبان نے تخلیق کے دنوں کو عام اور حقیقی دنوں کے طور پر قبول کیا تھا۔[1] یہ بھی سچ ہے کہ ابتدائی کلیسیا کے کچھ فادر صاحبان تخلیق کے دنوں کے بارے میں سکھاتے ہوئے اُنہیں عام اور حقیقی دنوں کے طور پر نہیں پیش کرتے تھے —— کیونکہ اُن میں سے بہت سارے یونانی فلسفے سے متاثر تھے جو اُنہیں اِن دنوں کو مجازی معنوں میں دیکھنے اور پیش کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ وہ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ تخلیقی دنوں کا تعلق خُدا کی تخلیقی کارکردگی سے ہے، اور چونکہ خُدا وقت سے بالا اور باہر ہے اِس لئے اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُن دنوں کا تعلق انسان سے نہیں بلکہ خُدا سے ہے۔[2]

چیزوں کو مجازی معنی میں بیان کرنے والے موجودہ دور کے لوگوں کے برعکس وہ یہ بات نہیں مان سکتے تھے کہ خُدا کو تخلیق کے لئے چھ دنوں کی طوالت پر محیط عرصہ لگا۔ پس غیر حقیقی دن دراصل غیر بائبلی اثرات کا نتیجہ تھے (مثال کے طور پر اُن اثرات یا تصورات کا جو بائبل سے باہر ہیں)، نہ کہ اُن پر جن کی بنیاد کلام مُقدس ہے۔ یہ رویہ لوگوں کے کلام کی تفسیر کرنے کے طریقے پر بہت زیادہ اثر انداز ہوا ہے۔ جیسے کہ کلیسیائی اصلاح کی تحریک کو شروع کرنے والے شخص نے کہا ہے کہ

> تخلیق کے دن اپنی طوالت کے لحاظ سے بالکل عام اور حقیقی دن تھے۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کلیسیائی فادر صاحبان کے خیالات کے برعکس یہ حقیقی دن (veros dies) تھے۔ جب کبھی بھی ہم اِس بات کو دیکھیں کہ فادر صاحبان کلام کے ساتھ متفق نہیں ہیں تو ہمیں اُنہیں بڑے احترام کیساتھ اپنے بزرگ تصور کرتے ہوئے اس بات کو درگزر کردینے کی ضرورت ہے۔ تاہم اُن کی خاطر ہم کلام کی بالادستی وحقانیت کو داؤ پر لگاتے ہوئے کلام سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔[3]

بارہا ایسے رہنماؤں نے اِس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اگر پیدائش 1 باب کو دیانتدارانہ اور سادہ انداز سے دیکھا جائے تو اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ باب چھ عام اور حقیقی دنوں کی بات کرتا ہے۔ لیکن اُن میں سے کئی رہنما پھر کہتے ہیں کہ یہ دن کائنات کی عمر یا دیگر غیر بائبلی وجوہات کی بناء پر عام اور حقیقی دن نہیں ہوسکتے۔

ذیل میں اُن بائبلی عالمین کے اُنکی نمائندگی کرنے والے اقوال دیکھیں جنہیں اعتدال پسند تصور کیا جاتا ہے لیکن وہ تخلیق سے متعلقہ دنوں کو عام اور حقیقی دنوں جتنے طویل نہیں مانتے۔

> پیدائش 1 باب کا سطحی مطالعہ کرنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ تخلیق کا سارا عمل 24 گھنٹوں کی طوالت رکھنے والے 6 دنوں میں مکمل ہوا۔۔۔ یہ خیال اُس جدید سائنسی تحقیق کے بالکل مخالف سمت جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے جو یہ اشارہ کرتی ہے کہ یہ زمین کئی بلین سال پہلے تخلیق کی گئی تھی۔[4]

> ہم خُدا کے اِس زمین اور اِس پر کی زندگی کے وجود کے لمبے ادوار کی نمائندگی کرنے والے تخلیقی دنوں کے دورانیے میں تخلیق کرنے کے امکان کو ظاہر کر چکے ہیں۔ زمین کی موجودہ عمر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ قابل یقین بھی ہے۔[5]

اِس سب سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اِن عالمین الٰہیات نے فطرت کو بائبل کی 67 ویں مگر دیگر چھیاسٹھ کتابوں سے زیادہ حتمی ومعتبر کتاب مان لیا ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں ’’مبلغین کے شہزادے‘‘ کا لقب پانے والے انتہائی ممتاز مبلغ چارلس ہاڈن سپرجن کے 1877 میں بیان کردہ اِن الفاظ پر غور کرنا چاہیے۔

> بھائیو، ہمیں بڑے اشتیاق اور دلسوزی کے ساتھ یہ دعوت دی جاتی ہے کہ ہم سائنس کی قیاس کردہ نام نہاد تحقیقات کی وجہ سے اپنے آباؤ اجداد کے قدیم وضع کے ایمان سے دور ہو جائیں۔ سائنس کیا ہے؟ وہ طریقہ جس کی بدولت انسان اپنی جہالت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے لیکن دراصل ایسا ہی ہے۔ آپ کو الٰہیات کے تعلق سے تحکمانہ اور لگے بندے انسانی اصولوں کا پابند نہیں ہونا چاہیے، میرے بھائیو، یہ بہت بُری اور فاسق بات ہے، لیکن سائنس سے متعلقہ لوگوں کے لئے یہ ایک درست بات سمجھی جاتی ہے۔ آپ کو کسی بھی بات کا انتہائی پرزور انداز سے دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن سائنسدان بڑی ڈھٹائی اور بے باکی سے ایسے پرزور دعوے کرتے ہیں جنہیں وہ ثابت نہیں کرسکتے اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم اُس ایمان کے برعکس

جو ہم پہلے سے رکھتے ہیں ضیف الاعتقاد ہو جائیں۔ درحقیقت وہ چاہتے ہیں کہ مَیں اور آپ اپنی بائبل لیں اور اِن نام نہاد سائنسدانوں کی ہر روز بدلنے والی نت نئی تعلیمات کے مطابق اپنے تصورات کو ڈھالتے ہوئے اپنا ایمان گھڑیں۔ یہ کیسی حماقت ہے۔ کیوں سائنس کا نام نہاد سفر پوری دُنیا میں اگر دیکھا جائے تو واضح اور فاش ابہام اور متروک نظریات پر مشتمل ہے۔ پرانے محققین اور موجد جن کا کبھی بہت احترام کیا جاتا تھا، اب اُن کا مذاق اُڑایا جاتا ہے؛ عالمگیر بدنامی کے معاملے کا تعلق دراصل بے دلیل دعوؤں اور مفروضوں کی لگاتار تباہ کن شکستگی سے ہے۔ آپ موجودہ عالمین کے پیچھے مفروضوں اور نظریات کے ٹوٹی ہوئی بوتلوں کی طرح پڑے ہوئے ملبے سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُنہوں نے نظریاتی لحاظ سے کس مقام پر پڑاوُ ڈالا ہوا ہے[6]

وہ جو ہمیں خُدا کے بارے میں سکھانے کی خاطر بائبل کی تفسیر کے لئے تاریخی سائنس استعمال کریں گے (جیسا کہ اُن لوگوں کی طرف سے اظہار کیا جاتا ہے جو بڑے پیمانے پر خُدا کے کلام کو نظر انداز کرتے ہیں)، اُن کی تعلیمات میں شروع سے آخر تک مسائل ہی مسائل ہیں۔ کیونکہ ہم خطا وار اور گناہ میں گری ہوئی مخلوق ہیں ہمیں فطری تاریخ کو سمجھنے کے لئے خُدا کے تحریری کلام کی ضرورت ہے جس پر رُوح القدس روشنی ڈالتا ہے۔ باقاعدہ علم الٰہیات کے انتہائی قابلِ احترام عالم برکھوف نے کہا ہے کہ

> گناہ کے دُنیا میں داخل ہونے کے بعد سے انسان خُدا کے بارے میں حقیقی علم مکاشفہ عام سے صرف اُسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے جب وہ اُس کا مطالعہ اُس کلام کی روشنی میں کرے جس میں خُدا کی ذات کے اصل ظہور کے اُن عناصر کو جو گناہ کے روگ کی بدولت دھندلا کر گمراہ کن ہو گئے تھے دوبارہ سے بیان کیا گیا ہے اور اُن کی درستگی اور تفسیر کی گئی ہے۔۔۔ کچھ لوگوں میں مکاشفہ عام کو خُدا کے بارے میں سیکھنے کا دوسرا ذریعہ ماننے کا رجحان پایا جاتا ہے؛ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اِس حقیقت کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ فطرت پر اُسی صورت میں غور و فکر کیا جا سکتا ہے جب اُس کی تفسیر کلامِ مُقدس کی روشنی میں کی جاتی ہو[7]

دوسرے الفاظ میں مسیحیوں کو اپنے خیالات و نظریات کی بنیاد سائنس پر نہیں بلکہ بائبل پر رکھنی چاہیے۔

پیدایش 1 باب کے ''دن''

پیدایش 1 باب میں بائبل ہمیں لفظ ''دن'' کے معنی کے بارے میں کیا بتاتی ہے؟ سیاق و سباق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ انگریزی لفظ ''دن'' کے غالباً 14 مختلف معنی ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ فقرہ دیکھئے: ''پہلے میرے دادا کے دنوں میں دن کو گاڑی پر سفر کر کے ملک کے اِس پار سے اُس پار جانے کے لئے پورے 12 دن لگ جاتے تھے۔'' یہاں پر سب سے پہلے جب لفظ دن استعمال ہوا ہے اُس کا مطلب وقت یا دور ہے، دوسری جگہ پر جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اُسے کے معنی ہیں دن کا وہ حصہ جس میں سورج کی روشنی موجود ہوتی ہے، اور تیسری جگہ جہاں پر دنوں کی تعداد بیان کی گئی ہے وہ عام دن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ بتانے سے ہمارا مقصد اِس بات کو واضح کرنا ہے کہ سیاق و سباق کی رُو سے ایک لفظ کے ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ معنی ہو سکتے ہیں۔

پیدایش 1 باب میں لفظ ''دن'' کے معنی کو سمجھنے کے لئے ہمیں اِس بات کا تعین کرنے کی ضرورت ہے کہ عبرانی لفظ ''یوم'' کلام میں سیاق و سباق کے تعلق سے کیسے استعمال ہوا ہے۔ مندرجہ ذیل باتوں پر غور کیجئے۔

- ایک عام بائبلی ڈکشنری یہ ظاہر کرتی ہے کہ لفظ ''یوم'' کے کئی ایک معنی ہو سکتے ہیں جیسے کہ: دن کے دوران وہ حصہ جس میں سورج کی روشنی موجود ہوتی ہے، 24 گھنٹوں کا دورانیہ، کوئی خاص دور، وقت یا سال۔
- عبرانی سے انگریزی کی ایک بہت مستند اور معتبر خیال کی جانے والی ڈکشنری[8] میں لفظ ''یوم'' کے معنی پیش کرنے کے لئے سات ہیڈنگ اور پھر کئی ذیلی سرخیاں دی گئی ہیں ـــ لیکن وہ پیدایش کی کتاب میں ''دن'' کے تعلق سے شام اور صبح کے بیان کی روشنی میں تخلیق کے دنوں کو عام 24 گھنٹوں کے دورانیے پر مشتمل دن ہی بیان کرتی ہے۔
- ہر ایک تخلیقی دن کے ساتھ پیدایش کی کتاب میں ''صبح ہونے اور شام ہونے'' کے بیان کو استعمال کیا گیا ہے (پیدایش 1 باب 5، 8، 13، 19، 23، 31 آیات)
- پیدایش 1 باب کے علاوہ لفظ ''یوم'' کا استعمال کلام میں 359 دفعہ ہوا ہے اور ہر دفعہ اِس کے معنی عام دن لئے گئے ہیں[9] تو پھر پیدایش 1 باب میں استعمال ہونے والے لفظ ''یوم'' کے معنی بدلنے پر کیوں زور دیا جاتا ہے؟[10]
- پیدایش 1 باب کے علاوہ کلام کے اندر ''یوم'' کیساتھ لفظ ''شام'' یا ''صبح'' 23 دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اور ''شام'' یا ''صبح''[11] 38 دفعہ اگرچہ لفظ ''یوم'' کیساتھ تعلق کے طور پر لیکن اِس لفظ کے بغیر استعمال کیا گیا ہے۔ اِن سارے 61 حوالوں میں متن عام اور حقیقی دن کی طرف اشارہ کرتا ہے تو پھر پیدایش 1 باب میں ہی لفظ ''یوم'' کے معنی پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے؟[12]
- پیدایش 1 باب 5 باب میں لفظ ''یوم'' کا استعمال ''رات'' کیساتھ ہوا ہے۔ پیدایش 1 باب کے علاوہ کلام میں لفظ ''رات'' کا استعمال 53 دفعہ لفظ ''یوم'' کیساتھ ہوا ہے اور ہر دفعہ اُس کے معنی ایک عام دن کے طور پر لئے گئے ہیں۔ تو پھر پیدایش 1 پر ہی کیوں کوئی سوال یا احتجاج کیا جاتا ہے؟ حتیٰ کہ لفظ ''روشنی'' کا ''یوم'' کیساتھ استعمال اُس کے ایک عام دن ہونے کا تعین کرتا ہے۔
- لفظ یوم کی جمع یعنی ایام (دنوں) کا استعمال پیدایش 1 باب میں ہم نہیں دیکھتے، لیکن اِس لفظ کے معنی ایک لمبے عرصے کے طور پر لئے جا سکتے ہیں جیسے کہ ''اُن دنوں میں۔۔۔'' پیدایش 1 باب میں

لفظ یوم (دن) کو جمع کے صیغے میں استعمال کرنا ایک احمقانہ بات ہوگی۔ خروج 20 باب 11 آیت، جہاں پر لفظ ''دنوں'' کیساتھ ایک ہندسہ استعمال ہوا ہے[14] واضح طور پر اِس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تخلیق سے تعلق رکھنے والے دن زمین کے اپنے مدار میں گردش سے وابستہ بالکل عام اور حقیقی چھ دن تھے۔

- بائبلی عبرانی زبان میں ایسے لفظ ہیں جیسے کہ (اولام یا قدیم) جو وقت کے لمبے ادوار یا غیر معینہ مدت کو بیان کرنے کے لئے بڑے مناسب ہیں لیکن اِن دونوں میں سے ایک بھی لفظ پیدایش 1 باب میں استعمال نہیں ہوا۔[15] اگر پیدایش کے پہلے باب میں لفظ دن کے معنی لمبے ادوار ہوتے تو متبادلانہ طور پر دنوں یا سالوں کو ریت کے ذروں کیساتھ تشبیہ دی جاسکتی تھی۔

ڈاکٹر جیمس بار (آکسفورڈ یونیورسٹی میں شاہی پروفیسر) جو خود بھی اِس بات کو نہیں مانتے کہ پیدایش تاریخی لحاظ سے درست کتاب ہے بہر حال پیدایش 1 باب کی زبان دانی کے لحاظ سے تسلیم کرتے ہیں کہ

جہاں تک مَیں جانتا ہوں دُنیا کی اچھی ترین یونیورسٹیوں میں عبرانی یا پرانے عہد نامے کا کوئی ایک بھی ایسا پروفیسر نہیں ہے جو یہ نہیں مانتا کہ پیدایش 1-11 ابواب کا مصنف یہ تصورات پیش کرنا چاہتا تھا کہ (الف) تخلیق کا سارا عمل 24 گھنٹوں کے دورانیے پر مشتمل 6 دنوں کے ایک سلسلے میں مکمل ہوا، یہ دن بالکل اُتنے لمبے ہی تھے جتنے کہ ہم عام طور پر دیکھتے ہیں۔ (ب) پیدایش کی کتاب میں موجود کرداروں کیساتھ دی گئی تواریخ زمین کی ابتدا سے لیکر بائبلی کہانی میں آنے والے ادوار کی معلومات دیتی ہیں۔ (ج) نوح کے طوفان کی نوعیت عالمگیر ہے اور اُسکی بدولت تمام انسانی اور حیوانی زندگی مکمل طور پر ختم ہوگئی سوائے نوح، اُسکے خاندان اور کشتی پر سوار جانوروں کی زندگیوں کے۔[16]

اِسی طرح 19 ویں صدی کے نیو کالج ایڈن برگ کے لبرل پروفیسر مارکس ڈوڈز نے کہا ہے کہ

اگر، مثال کے طور پر لفظ ''یوم'' (دن) کے معنی اِن ابواب میں 24 گھنٹوں کے دورانیے پر مشتمل عرصہ نہیں ہیں تو پھر کلام کی تفسیر مایوس کن ہوگی۔[17]

پیدایش 1 باب کے اندر ''دن'' کا تصفیہ

اگر ہم اِس بات کے لئے تیار ہیں کہ کلامِ مقدس کی زبان سیاق و سباق کیساتھ بالکل عام اصطلاحات کے مفہوم کے مطابق بیرونی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر ہم سے مخاطب ہو تو پھر پیدایش 1 باب میں ''دن'' کے لئے استعمال ہونے والا لفظ —— اپنے ساتھ استعمال ہونے والے الفاظ ''شام اور صبح'' اور پہلے دن کے حوالے سے استعمال ہونے والے الفاظ ''روشنی اور تاریکی'' کی بدولت واضح طور پر عام (24 گھنٹوں پر مشتمل) دن کے معنی پیش کرتا ہے۔

مارٹن لوتھر کے دنوں میں کچھ کلیسیائی فادر صاحبان ایسا بھی کہتے تھے کہ خُدا نے ہر ایک چیز کو صرف ایک دن یا پل میں تخلیق کیا تھا۔ اِس پر مارٹن لوتھر نے لکھا کہ

جب موسیٰ لکھتا ہے کہ خُدا نے زمین و آسمان اور اُن میں موجود ہر ایک چیز کو چھ دنوں میں تخلیق کیا تو پھر اُس عرصے کو چھ دن ہی رہنے دیں اور ایسی تدبیریں بنانے کی مہم جوئی نہ کریں جسکے مطابق یہ چھ دن ایک دن ثابت ہوں۔ لیکن اگر آپ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ سب کچھ چھ دنوں میں کس طرح وقوع پذیر ہوا تو پھر رُوح القدس کو اپنے آپ سے زیادہ باحکمت ہونے کی بدولت جلال دیں۔ کیونکہ آپ کیلئے ضروری ہے کہ آپ کلام کو اِس طرح سے دیکھیں جس میں آپ یہ بات ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھیں کہ کلام میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ خُدا نے خود کہا ہے۔ اور چونکہ خُدا خود کلام کر رہا ہے اِس لئے یہ درست نہیں کہ آپ لااُبالی پن کے انداز سے اندھا دھند اُس کے کلام کا رخ اُس سمت میں موڑ دیں جہاں آپ اُس کو لیکر جانا چاہتے ہوں[18]

اِسی طرح جان کیلون نے بھی بیان کیا کہ، ''اگر چہ اِس دُنیا کے جو تیزی سے اپنے حتمی اختتام کی طرف جا رہی ہے قیام کا دورانیہ ابھی چھ ہزار سال نہیں ہوا۔۔۔ خُدا کا تخلیق کا کام ایک پل میں نہیں بلکہ چھ دنوں میں مکمل ہوا تھا۔''[19]

لوتھر اور کیلون دونوں پروٹسٹنٹ کی اُس اصلاحی تحریک کی ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے کلیسیا کلام کی طرف رجوع لائی —— صرف کلام (Sola Scriptura) اُن کا نعرہ تھا۔ یہ دونوں شخص اِس بات پر سختی سے قائم تھے کہ پیدایش 1 باب تخلیق کے چھ عام دنوں کے بارے میں تعلیم دیتا ہے —— جو کہ چند ہزار سال پہلے وقوع پذیر ہوئی تھی۔

چھ دن ہی کیوں؟

خروج 31 باب 12 آیت بیان کرتی ہے کہ خُدا نے موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ اسرائیل قوم سے کہے

''چھ دن کام کاج کیا جائے لیکن ساتواں دن آرام کا سبت ہے جو خُداوند کے لئے مُقدس ہے۔ جو کوئی سبت کے دن کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔ پس بنی اسرائیل سبت کو مانیں اور پشت در پشت اُسے دائمی عہد جان کر اُس کا لحاظ رکھیں۔ میرے اور بنی اسرائیل کے درمیان یہ ہمیشہ کے لئے ایک نشان رہے گا اِس لئے کہ چھ دن میں خُداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کر کے تازہ دم ہوا۔''
(خروج 31 باب 15-17 آیات)

خُدا نے موسیٰ کو دو پتھر کی لوحیں (تختیاں) دیں جن پر خدا کی اپنی انگلی کیساتھ لکھے ہوئے خُدا کے دس احکام تھے۔ (خروج 31 باب 18 آیت)

کیونکہ خُدا اپنی قدرت اور حکمت میں لامحدود ہے اس لئے اِس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے کہ خُدا اِس ساری کائنات اور اس میں موجود ہر ایک چیز کو یکدم، یا چھ سیکنڈوں، چھ منٹوں یا چھ گھنٹوں میں تخلیق کر سکتا تھا ــــــ کیونکہ خُدا کے لئے کوئی بھی بات ناممکن نہیں ہے (لوقا 1 باب 37 آیت)۔

بہر حال، سوال یہ ہے کہ ''خُدا نے اتنا وقت کیوں لگایا؟ اُس نے تخلیق کے لئے چھ دن کیوں لگائے؟'' اِس کا جواب بھی خروج 20 باب 11 آیت میں دیا گیا ہے اور وہی جواب چوتھے حکم کی بنیاد ہے:

''کیونکہ خُداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ اُن میں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اِس لئے خُداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اُسے مُقدس ٹھہرایا۔''

سات دنوں کے ہفتے کی بنیاد کلامِ مقدس سے باہر کہیں پر بھی نہیں ملتی۔ پرانے عہدنامے کے اِس حوالے میں خُدا نے اپنے لوگوں یعنی اسرائیل کو یہ حکم دیا کہ وہ چھ دن کام کریں اور ایک دن آرام کریں۔ ــــــ پس اُس نے اپنے اِس حکم کی وجہ کے طور پر خود اپنی پاک مرضی سے ساری چیزوں کو تخلیق کرنے کے لئے چھ دن لگائے۔ اُس نے انسان کے لئے ایک مثال قائم کی۔ ہمارا ہفتہ بھی اِسی نمونے پر تشکیل دیا گیا ہے۔ اب اگر اُس نے ہر ایک چیز کو چھ ہزار سالوں (یا چھ ملین سالوں) میں تخلیق کیا تھا تو اُس سے تو یہ مطلب ہو گا کہ ہمیں ایک ہزار سال یا ایک ملین سال تک آرام کرنا چاہیے اور ایسی صورت میں ہمیں یقیناً بڑا دلچسپ ہفتہ گزارنے کا موقع ملے گا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خروج 20 باب 11 آیت میں محض یہ مثال دی گئی ہے کہ انسان کو کام کرنے کے بعد آرام بھی کرنا چاہیے ــــــ اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کام کے چھ دن ہوں اور پھر آرام کا ایک دن ہو۔ بہر حال بائبل کے علماء نے یہ بات ظاہر کی ہے کہ اِس حکم میں کوئی تمثیل استعمال نہیں کی گئی بلکہ یہ اِس بات پر زور دیتا ہے کہ خُدا کی ذات یا اُس کے نمونے کی تقلید کی جائے۔[20] دوسرے الفاظ میں چھ دن کام کے ہیں اور اُن کے بعد ایک دن آرام کا ہے، بالکل اُسی طرح جیسے خُدا نے چھ دن کام کیا اور ایک دن آرام کیا۔ کچھ لوگ یہ بحث بھی کرتے ہیں کہ بائبل میں بیان کردہ ''آسمان اور زمین'' دراصل یہ زمین اور نظامِ شمسی ہے نہ کہ ساری کائنات۔ بہر حال یہ آیت بیان کرتی ہے کہ خُدا نے ہر ایک چیز کو چھ دنوں میں تخلیق کیا ــــــ چھ سلسلہ وار متواتر دن، بالکل ویسے جیسے گزشتہ آیت میں چھ دن متواتر کام کے اور ایک دن آرام کا۔

کلامِ مُقدس میں آسمان و زمین جیسے الفاظ دراصل زبان و بیان کا ایک انداز ہیں جہاں پر دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر کے اُن کے اندر موجود ہر ایک چیز کا احاطہ کرتے ہوئے تخلیق کی مجموعیت کو بیان کیا گیا ہے۔ کلام میں تحریر کردہ الفاظ زمین و آسمان کا لسانیاتی تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ اِن دو الفاظ کا مرکب تخلیق کی مجموعیت کو ظاہر کرتا ہے (عبرانیوں کے پاس کائنات کے لیے اُس وقت کوئی مناسب لفظ موجود نہیں تھا۔) مثال کے طور پر پیدائش 14 باب 19 آیت میں خُدا کو زمین و آسمان کا خالق کہا گیا ہے۔ یرمیاہ 23 باب 24 آیت میں خُدا خود فرماتا ہے کہ زمین و آسمان اُس سے معمور ہیں۔ مزید دیکھئے پیدائش 14 باب 22 آیت؛ 2 سلاطین 19 باب 15 آیت؛ 2 تواریخ 2 باب 12 آیت؛ زبور 115 کی 15 آیت، 121 کی 2 آیت، 124 کی 8 آیت، 134 کی 3 آیت، 146 کی 6 آیت اور یسعیاہ 37 باب 16 آیت۔ پس کلام میں ہمیں کوئی ایسا جواز نہیں ملتا جس کی بناء پر خروج 20 باب 11 آیت کو زمین اور اس کی فضا یا صرف نظامِ شمسی تک ہی محدود کر دیا جائے۔ پس خروج 20 باب 11 آیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ خُدا نے تمام کائنات کو چھ دنوں کے دوران تخلیق کیا۔

ضمنی بات

جیسے کہ تخلیق کے دن عام اور حقیقی دن ہیں تو اِن کو مدِنظر رکھتے ہوئے اگر ہم کلام میں بیان کردہ سالوں کو (نسب ناموں میں کسی قسم کے وقفے کے بغیر)[21] جمع کریں تو اِس کائنات کی کل عمر صرف 6 ہزار سال بنتی ہے۔[22]

چھ حقیقی دنوں کے حوالے سے اعتراضات کا ازالہ

اعتراض 1

سائنس اِس چیز کو ثابت کر چکی ہے کہ زمین اور یہ کائنات کئی بلین سال پرانی ہیں، اس لئے تخلیق سے متعلقہ دن ضرور لمبے (غیر معینہ مدت پر محیط) ادوار ہونگے۔

جواب

الف: گنہگار آدمی کے اپنے ذاتی طریقوں کی بنیاد پر معلوم کردہ زمین کی عمر کی بنیاد غیر ثابت شدہ مفروضوں پر رکھی گئی ہے۔ پس یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ زمین کئی بلین سال قدیم ہے۔[23]

ب: زمین کی غیر ثابت شدہ عمر کو بائبل کی زبان و بیان کی تشریح کرنے کے لئے زبردستی استعمال کیا جاتا ہے، اور اِس طرح انسان کے مغالطہ انگیز نظریات کی بناء پر بائبل کی تفسیر کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ بات بالآخر باہمی تعلق اور رسائی کے لئے زبان کے استعمال کو کمزور کرتی ہے۔

ج: ارتقاء کے حامی سائنسدان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ زمین کی سطح پر پائی جانے والی فوسلوں کی تہہ کئی ملین سال پرانی ہے۔ جونہی کوئی فوسلوں کی تہہ کے لئے کئی ملین سالوں کے عرصے کو استعمال اور قبول کرنے کی اجازت دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اُس نے آدم کے گناہ سے بھی پہلے موت، خونریزی، بیماریوں، مصیبتوں اور تکلیفوں اور اونٹ کٹاروں کو قبول کر لیا ہے۔

بائبل مُقدس یہ بالکل واضح کرتی ہے کہ موت، خونریزی، بیماریاں، اونٹ کٹارے اور مصیبتیں گناہ کا نتیجہ ہیں[24]۔ پیدائش 1 باب 29-30 آیات[25] میں خُدا نے آدم و حوا اور جانوروں کو پودے اور سبزیاں کھانے کو دیں۔ (جب ہم پیدائش کی کتاب کو پڑھتے ہیں تو ہم اس کو بطور حتمی تاریخ لیتے ہیں بالکل اُسی طرح جیسے یسوع نے متی 19 باب 3-6 آیات میں کیا ہے)۔ درحقیقت جانوروں اور پودوں کے درمیان ایک الہیاتی فرق پایا جاتا ہے۔ انسان اور جانوروں کے بارے میں پیدائش 1 باب میں بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اُن میں زندگی کا دم ہے۔ (یہ بات تمام فقاریہ [ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے جانوروں] بشمول پرندوں اور مچھلیوں کے لحاظ سے سچ ہے، پیدائش 1 باب 20، 24 آیات)۔ پودوں میں اُس طرح سے زندگی کا دم نہیں یعنی وہ انسانوں اور دیگر جانوروں کی طرح کی زندگی نہیں رکھتے۔ خُدا نے اُنہیں جانوروں اور انسانوں کے لئے بطور خوراک دیا ہے۔

> انسان اور جانوروں کے بارے میں پیدائش 1 باب میں بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اُن میں زندگی کا دم ہے۔

انسان کو گوشت کھانے کی اجازت طوفان کے بعد ملی تھی (پیدائش 9 باب 3 آیت)۔ یہ چیز اِس بات کو واضح کرتی ہے کہ پیدائش 1 باب 29-30 آیات کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور جانور ابتدائی طور پر سبزی خور تھے۔ مزید برآں پیدائش 9 باب 2 آیت میں خُدا نے ہمیں جانوروں کے انسان کیساتھ برتاؤ یا ردعمل میں تبدیلی سے بھی آگاہ کیا ہے۔

خدا نے پیدائش 2 باب 17 آیت میں آدم کو خبردار کیا تھا کہ اگر اُس نے نیک و بدکی پہچان کے درخت میں سے کھایا تو وہ ضرور مر جائے گا۔ عبرانی قواعد زبان کے مطابق اِس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ تُو ''مرتے مرتے مر ہی جائے گا۔'' دوسرے الفاظ میں یہ جسمانی موت کے عمل کا آغاز ہوگا (دیکھیں پیدائش 3 باب 19 آیت)۔ اور اِس کیساتھ بالکل واضح طور پر روحانی موت کا بھی تعلق ہے (جسے ہم خُدا سے جدائی کہتے ہیں)۔

آدم کے گناہ میں گرنے کے بعد خُدا نے اُسے اور حوا کو چمڑے کے کرتے پہنائے (پیدائش 3 باب 21 آیت)[26]۔ یہ سب کرنے کے لئے اُس نے ضرور کسی ایک جانور کو ذبح کر کے اُس کا خون بہایا ہوگا۔ عبرانیوں 9 باب 22 آیت میں اِس کے جواز کا خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

> اور تقریباً سب چیزیں شریعت کے مطابق خون سے پاک کی جاتی ہیں اور بغیر خون بہائے معافی نہیں ہوتی۔

خُدا گناہوں کی معافی کے لیے خون کے بہائے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔ جو کچھ باغِ عدن میں ہوا وہ دراصل اُس چیز کی تصویر تھی جو بعد میں یسوع نے کیا، جو خُدا کا برّہ ہوتے ہوئے اِس جہان کے گناہ اُٹھا لے گیا اور صلیب پر اپنا خون بہا کر ہمیں گناہوں سے معافی دی۔ (یوحنا 1 باب 29 آیت)

اب اگر باغ عدن کئی ملین سال پہلے مرے ہوئے جانوروں کے دبے ہوئے فوسلوں کے اوپر بنا ہوا تھا تو اِس کا مطلب تو یہ ہے کہ گناہ کے اِس دُنیا میں داخل ہونے سے پہلے ہی خون بہہ چکا تھا۔ یہ نظریہ نجات کے بیان کی بنیاد ہی کو تباہ کر دیتا ہے۔ بائبل اِس حوالے سے بڑی واضح ہے کہ اِس دُنیا میں گناہ اور موت آدم کے گناہ کی بدولت آئے۔ رومیوں 8 باب 19-22 آیات ہمیں بتاتی ہیں کہ ساری مخلوقات آدم کے گناہ میں گرنے کے اثرات کی وجہ سے کراہتی ہے، اور ایک دن سب مخلوقات فنا کے قبضے سے چھوٹ کر خُدا کے فرزندوں کے جلال کی آزادی میں داخل ہو جائیں گی۔ (رومیوں 8 باب 21 آیت)۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ کانٹے اور اونٹ کٹارے گناہ کی لعنت کے بعد وجود میں آئے۔ اب جبکہ فوسلوں کے ریکارڈ میں بھی ہمیں کانٹے ملتے ہیں تو اِس کے مطلب یہ ہے کہ یہ فوسل ریکارڈ آدم کے گناہ میں گرنے کے بعد بنا تھا۔

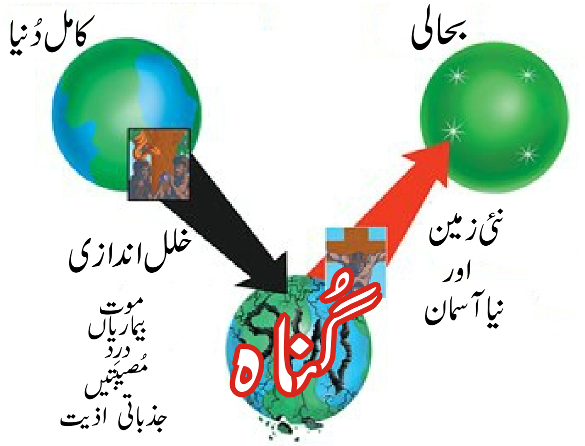

آدم پر موت کی سزا کا حکم ایک ہی وقت میں لعنت بھی تھا اور برکت بھی۔ لعنت اِس لئے کہ موت بہت ہی ہولناک ہے اور ہمیں ہمیشہ گناہ کی بدصورتی کے بارے میں آگاہ کرتی ہے؛ اور برکت یوں کہ اِس سزا کا مطلب ہے کہ گناہ کے اثرات ––– خُدا کی رفاقت سے علیحدگی ––– ہمیشہ تک نہیں ہوگی۔ اور چونکہ گناہ کی سزا کے طور پر موت ایک بالکل منصفانہ سزا ہے، اِس لئے یسوع مسیح نے اپنا خون بہا کر جسمانی موت کا مزہ چکھا تا کہ وہ آدم کی اولاد کو گناہ کے اثرات سے چھٹکارہ دلا سکے۔ پولس رسول رومیوں 5 باب اور 1 کرنتھیوں 15 باب میں اِس پر بڑی تفصیل اور گہرائی کیساتھ بات کرتا ہے۔

پس، کلامِ مُقدس کے بیان کے ساتھ کئی ملین سالوں کا اضافہ دراصل صلیب کے پیغام کی بنیاد کو تباہ کر دیتا ہے۔

اعتراض 2

پیدایش 1 باب کے مطابق سورج چوتھے دن تخلیق کیا گیا تھا۔ تو پھر پہلے تین دنوں کے دوران سورج کے بغیر (عام دنوں کی طرح) دن اور رات کس طرح سے ہوئے ہونگے؟

جواب

الف: ایک بار پھر ہمیں چاہیے کہ ہم خُدا کے کلام میں استعمال ہونے والی زبان کو اپنے ساتھ کلام کرنے دیں۔ اگر ہم پیدایش 1 باب کو کسی طرح کے بیرونی اثرات کے بغیر دیکھیں جیسا کہ دکھایا گیا ہے، تخلیق کے ہر ایک دن کے لئے عبرانی لفظ یوم استعمال کیا گیا ہے اور دنوں کی گنتی کیساتھ ساتھ ہر دن کیساتھ ''صبح اور شام'' ہونے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے تین دنوں کو بھی اُسی انداز سے لکھ کر بیان کیا گیا ہے جیسے کہ باقی کے تین دنوں کو۔ اگر ہم کلام کی زبان کو اپنے ساتھ کلام کرنے دیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام چھ دن عام اور حقیقی زمینی دن تھے۔

ب: دن اور رات کے لئے سورج کی ضرورت نہیں ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے روشنی اور گھومتی ہوئی زمین۔ تخلیق کے پہلے دن خُدا نے روشنی کو تخلیق کیا (پیدایش 1 باب 3 آیت)۔ جب ہم صبح اور شام کا بیان پڑھتے ہیں تو اِس کا واضح تعلق زمین کے گھومنے سے ہے۔ پس اگر ایک طرف سے روشنی آ رہی ہو اور اُس کے سامنے زمین گھوم رہی ہو تو زمین پر دن اور رات ہو سکتے ہیں۔

روشنی کہاں سے آئی؟ ہمیں یہ نہیں بتایا گیا،[27] لیکن پیدایش 1 باب 3 آیت واضح طور پر اِس طرف اشارہ کرتی ہے کہ چوتھے دن سے زمین پر حکم کرنے کے لئے جب تک خُدا نے سورج کو نہیں بنایا تھا تو اُس وقت اُسکی تخلیق کردہ ایک روشنی تھی جسکی وجہ سے زمین پر دن اور رات ہوتے تھے۔ مکاشفہ 21 باب 23 آیت بیان کرتی ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب سورج کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ آسمانی شہر کو خُدا کا جلال روشنی کرے گا۔

ہوسکتا ہے خُدا نے یہ سب اِس طرح سے اِس لئے کیا کیونکہ خُدا لوگوں پر یہ بات واضح کرنا چاہتا تھا کہ تخلیق کے عمل میں جیسی اہمیت لوگ سورج کی سمجھتے ہیں ویسی اُس کی اہمیت نہیں ہے۔ جس طرح سے ارتقائی نظریہ پیش کرتا ہے اُس طرح سورج نے دراصل اس زمین کو جنم نہیں دیا۔ سورج خُدا کی ایک تخلیق ہے جسے اُس نے اپنے بنائے ہوئے دن پر حکم کرنے کے لئے تخلیق کیا (پیدایش 1 باب 16 آیت)۔ گزشتہ زمانوں میں مصریوں کی طرح کئی اور لوگ بھی سورج کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ استثنا 4 باب 19 آیت میں خُدا نے اسرائیلیوں کو خبردار کیا کہ وہ اپنے اردگرد کی قوموں کی طرح سورج کی پوجا نہ کریں۔ اُنہیں حکم دیا گیا کہ وہ اُس خُدا کی پرستش کریں جس نے سورج کو تخلیق کیا تھا نہ کہ سورج کی جو کہ خُدا کی ایک تخلیق ہے۔

ارتقائی نظریات (مثال کے طور پر بگ بینگ) یہ بیان کرتے ہیں کہ زمین سے پہلے سورج وجود میں آیا اور سورج کی توانائی کی بدولت زمین پر زندگی پیدا ہوئی۔ یہ مختلف قدیم مذاہب کی طرح کا ہیمعاملہ ہے جن میں ہر طرح کی تخلیق کا سہرا سورج کے سر باندھا جاتا تھا۔

جدید نظریہ کائنات/تکوینیات کا موازنہ ابتدائی کلیسیا کے فادر تھیوفلس کی تحریروں سے کرنے سے ایک دلچسپ صورتحال سامنے آتی ہے۔

> نیر چوتھے دن وجود میں آئے۔ خُدا پیش از وقت ہر ایک چیز سے واقف ہے، وہ بے وقوف فلسفیوں کی حماقت کو پہلے ہی سمجھتا تھا جو یہ کہنے جا رہے تھے کہ زمین دیگر ستاروں کی بدولت وجود میں آئی تا کہ وہ خُدا کو مسترد کر سکیں۔ اِس لئے کہ سچائی کا مظاہرہ ہو سکے کہ پودے اور بیج ستاروں سے پہلے وجود میں آئے۔ جو چیز بعد میں وجود میں آتی ہے وہ پہلے سے موجود چیزوں کے وجود کا سبب نہیں بن سکتی۔[28]

اعتراض 3

2 پطرس 3 باب 8 آیت بیان کرتی ہے کہ ''۔۔۔خُداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے اور ہزار برس ایک دن کے برابر۔''

جواب

1: اِس حوالے میں تخلیق کا کسی طرح کا مضمون موجود نہیں ہے ـــــ یہ نہ تو پیدائش کی کتاب اور نہ ہی تخلیق کے چھ دنوں کی طرف کوئی اشارہ کر رہا ہے۔

2: اِس آیت کے اندر تقابلی جز و جملہ پایا جاتا ہے، مثلاً ـــــ ''چونکہ'' یا ''جیسے کہ'' ـــــ جو پیدائش 1 باب میں نہیں پایا جاتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ حوالہ یہ نہیں کہہ رہا کہ ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک حقیقی اور عام دن کا ایک حقیقی اور عام ہزار سال کے ساتھ موازنہ کر رہا ہے۔ اِس حوالے کا مضمون دراصل یسوع مسیح کی آمدِ ثانی ہے۔ یہ حوالہ دراصل یہ کہہ رہا ہے کہ خُدا چونکہ وقت کے دائرے سے باہر اور بالا ہے اِس لئے ایک دن اُس کے نزدیک ہمارے ایک ہزار سال کی طرح ہو سکتا ہے۔ خُدا فطری عوامل اور وقت کا پابند نہیں ہے جیسے کہ ہم انسان ہیں۔ وہ عرصہ جو ہمیں ایک بہت ہی لمبی مدت محسوس ہوتا ہے (مثال کے طور پر یسوع کی آمدِ ثانی کا انتظار)، یا وہ جو ہمارے نزدیک قلیل مدت ہے وہ خُدا کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔

3: اِس آیت کے دوسرے حصے میں لکھا ہے کہ ''اور ہزار برس ایک دن کے برابر''، اِس حصے کا لب لباب آیت کے پہلے حصے کے معنی کو اُن لوگوں کے لئے حذف کر دیتا ہے جو ایک دن کو ایک ہزار سال کے برابر پیش کرتے ہوئے ایک طویل مدت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پس اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت یہ نہیں کہہ رہی کہ ایک دن درحقیقت ایک ہزار سال یا اِس کے برعکس ہوتا ہے۔

4: زبور 90 کی آیت 4 بیان کرتی ہے کہ ''کیونکہ تیری نظر میں ہزار برس ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا اور جیسے رات کا ایک پہر''۔ یہاں پر ایک ہزار سال کا موازنہ رات کے ایک پہر (چار گھنٹوں[29]) کیساتھ کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہاں پر جز و جملہ ''رات کے پہر'' کو ایک خاص طریقے کیساتھ گزر جانے والے کل کیساتھ جوڑا گیا ہے، تو یہاں پر اِس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار سال کا ایک انتہائی قلیل مدت کیساتھ موازنہ کیا جا رہا ہے ـــــ نہ کہ ایک دن کیساتھ۔

5: اگر کوئی اِس حوالے کو یہ دعویٰ کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے کہ بائبل میں مرقوم ایک دن کا مطلب ایک ہزار سال ہے تو اُسے اپنی اس سوچ کی وضع داری کو قائم رکھتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ یوناہ مچھلی کے پیٹ میں تین ہزار سال تک رہا، یا یہ کہ یسوع ابھی تک مُردوں میں سے جی نہیں اُٹھا اور دو ہزار سال سے وہ قبر میں ہی ہے۔

اعتراض 4

اگر اِس بات پر زور دیا جائے کہ تخلیق چھ شمسی دنوں کے دوران ہوئی تھی تو اِس طرح ہم خُدا کو محدود کر دیتے ہیں، جبکہ اگر ہم یہ کہیں کہ خُدا نے تخلیق کئی بلین سالوں کے دوران کی تھی تو یوں ہم خُدا کو محدود نہیں کرتے۔

جواب

حقیقت یہ ہے کہ اِس بات پر زور دینا کہ خُدا نے عام زمینی چھ دنوں کے عرصے کے دوران ساری چیزوں کو تخلیق کیا تھا خُدا کو محدود کرنا نہیں ہے، لیکن یہ درحقیقت ہمارے اپنے آپ کو یہ ماننے کے لئے محدود کرنا ہے کہ خُدا نے درحقیقت وہی کیا جو کچھ اُس نے اپنے کلام میں ہمیں بتایا ہے۔ اور اگر خُدا نے ہر ایک چیز کو چھ دنوں میں ہی تخلیق کیا جیسا کہ خُدا کا کلام ہمیں بتاتا ہے تو پھر یہ بات تو بہت ہی گہرے انداز سے خُدا کی قدرت اور اُسکی حکمت کا اظہار ہے ـــــ قادرِ مطلق خُدا کو اِس کائنات کو تخلیق کرنے کے لئے طویل زمانوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اِس کے برعکس کئی ملین سالوں کے عرصے کے دوران تخلیق کا منظر نامہ یہ تجویز کرنے کی بدولت خُدا کو ذات کو گھٹا کر پیش کرتا ہے کہ محض اتفاق سے ہی سب چیزیں تخلیق ہوئیں یا یہ کہ خُدا کو سب چیزیں تخلیق کرنے کے لیے انتہائی لمبا عرصہ درکار تھا ـــــ تخلیق کے عمل کو فطرت پسندانہ وضاحت تک گھٹانا ہی دراصل خُدا کی قدرت کو محدود کرنا ہے۔

اعتراض 5

آدم ایک ہی دن (چھٹے دن) وہ سارا کام نہیں کر سکتا تھا جو بائبل میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ سارے کے سارے جانوروں کے ایک ہی دن نام نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ اِس کے لئے بیان کردہ وقت بہت کم ہے۔

جواب

آدم کو ساری زمین کے کل جانوروں کے نام رکھنے کی ضرورت نہیں تھی ـــــ بلکہ صرف اُنہی جانوروں کے جو خُدا اُس کے پاس لایا تھا۔ مثال کے طور پر آدم سے کہا گیا کہ وہ کل دشتی جانوروں کے نام رکھے (پیدائش 2 باب 20 آیت) نہ کہ جنگلی جانوروں کے (پیدائش 1 باب 25 آیت)۔ جنگلی جانور غالباً دشتی جانوروں کا ہی ایک ذیلی مرتب حصہ ہیں۔ آدم نے ہر اُس چیز کا نام نہیں رکھنا تھا جو زمین پر رینگتی تھی (پیدائش 1 باب 25 آیت) یا وہ جاندار جو سمندر کے اندر تھے۔ مزید برآں جانوروں کی مختلف اقسام کی تعداد غالباً آج کی درجہ بندی کے لحاظ سے جانوروں کی مختلف جنسوں کی تعداد سے کم ہی ہوگی۔

جب ناقدین یہ کہتے ہیں کہ آدم ایک دن کے قلیل دورانیے میں سارے جانوروں کے نام نہیں رکھ سکتا تھا تو اِس سے اُن کا اصل مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نہیں سمجھتے کہ وہ خود ایک ہی دن میں یہ سارا کام کیسے کر پاتے، اور اگر اُن سے یہ کام ممکن نہیں تو پھر آدم بھی یقیناً ایسا نہ کر پاتا۔ بہرحال ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ہمارا دماغ لعنت کے 6000 سالہ دور کی وجہ سے تنزلی کا شکار ہے——ہر ایک چیز کی طرح انسان کے گناہ میں گرنے کی وجہ سے ہماری ذہنی صلاحیت بھی بہت زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ گناہ میں گرنے سے قبل آدم کی ذہنی استعداد کامل تھی۔

جب خُدا نے آدم کو تخلیق کیا تو اُس نے اُس میں اُسی وقت ایک کامل زبان کو بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت کو بھی تخلیق کیا ہوگا۔ آج ہم ایسے کمپیوٹر بناتے ہیں جو بول سکتے ہیں اور ہر بات کو یاد بھی رکھتے ہیں تو قادرِ مطلق خُدا نے جب آدم کو تخلیق کیا تو اُس نے اُسے ایک بالغ انسان کے طور پر ایک زبان کے ہر ایک لفظ کو سمجھنے کی صلاحیت کیساتھ ساتھ بہترین یادداشت دیکر کیسا بہتر بنایا ہوگا (وہ ایک بچے کے طور پر پیدا نہیں ہوا تھا جسے زبان کو سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے)۔ (اِسی لئے تو جب خُدا نے آدم سے کہا کہ اگر اُس نے نیک و بد کی پہچان کے درخت کے پھل میں سے کھایا تو وہ مرجائے گا اور آدم خُدا کی اُس بات کو سمجھ گیا حالانکہ کہ اُس نے نہ تو خود پہلے کبھی موت کا تجربہ کیا تھا نہ کسی کو مرتے دیکھا تھا۔) آدم کی یادداشت یقیناً بہترین ہوگی (ایک ایسی یادداشت جسے ہم آج کے دور میں عکاس حافظہ کہتے ہیں)۔

پس پہلے کامل طور پر تخلیق کردہ انسان کے لئے یہ بالکل کوئی مسئلہ نہیں ہوگا کہ وہ الفاظ کو ترتیب دیکر ایک دن سے بھی کم عرصے میں جانوروں کو نام دے اور اُنہیں یاد بھی رکھے۔[30]

اعتراض 6

پیدائش 2 باب کا تخلیقی بیان مختلف ترتیب کے ساتھ پیدائش 1 باب کے بیان سے مختلف ہے، تو پھر کوئی پہلے باب میں 6 دنوں کے دوران تخلیق کے بیان کو کس طرح قبول کر سکتا ہے؟

جواب

درحقیقت پیدائش 2 باب کا بیان تخلیق کا کوئی مختلف بیان نہیں ہے۔ یہ چھٹے دن کی تخلیق کا مزید تفصیلی بیان ہے۔ پیدائش 1 باب ساری تخلیق کا ایک خلاصہ ہے، جبکہ باب 2 ہمیں پہلے انسان کی تخلیق، باغ عدن اور آدم کی چھٹے دن کی مختلف سرگرمیوں کے حوالے سے مزید تفصیلات فراہم کرتا ہے۔[31] بائبل کا کنگ جیمز ورژن بیان کرتا ہے کہ آدم اور حوا کی تخلیق کے درمیان ''خُداوند خُدا نے کل دشتی جانور اور ہوا کے کل پرندے مٹی سے بنائے۔'' (پیدائش 2 باب 19 آیت)۔ یہاں پر یوں محسوس ہوتا ہے گویا زمین پر کے جانور اور پرندے آدم اور حوا کی تخلیق کے درمیانی عرصے میں بنے تھے۔ یہودی عالمین اِس بات کا پیدائش کے پہلے باب کیساتھ کسی طرح کا کوئی تصادم نہیں محسوس کرتے جہاں پر بیان کیا گیا ہے کہ روی زمین کے تمام جانداروں اور پرندوں کی تخلیق کے بعد خُدا نے آدم اور حوا کو تخلیق کیا تھا۔ (پیدائش 1 باب 23-25 آیات)۔ یہاں پر کوئی بھی تضاد یا اختلاف نہیں ہے کیونکہ فعل کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک تعین سیاق وسباق سے ہوتا ہے۔ پیدائش 1 باب سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ تمام دشتی جانور اور پرندے آدم سے پہلے تخلیق کئے گئے تھے پس یہودی عالمین اِس فقرے میں لفظ ''بنایا'' کو پیدائش 2 باب 19 آیت میں ''بنا چکا تھا'' کے معنی کے طور پر سمجھتے ہیں۔ پس اب اگر ہم دوسرے باب کی 19 آیت کا ترجمہ یوں کریں ''اور خُداوند خُدا نے جن دشتی جانوروں اور ہوا کے پرندوں کو بنا یا تھا اُن کو آدم کے پاس لایا'' تو اِس حوالے کا پیدائش 1 کیساتھ جو ظاہری اختلاف تھا وہ ختم ہو جائے گا۔

پیدائش 2 باب 5 آیت میں پودوں اور سبزیوں کے اور پیدائش 2 باب 9 آیت میں درختوں کے تعلق سے (پیدائش 1 باب 12 آیت کیساتھ موازنہ کریں) دیکھیں کہ اُنہیں کھیت یا میدان کیساتھ منسلک بیان کیا گیا ہے اور اُنکی دیکھ بھال کے لئے انسان کی ضرورت تھی۔ یہ بالکل واضح طور پر لگائے گئے یا خاص طور پر اگائے گئے پودے ہیں نہ کہ عام ہر جگہ اُگ آنے والے پودے (پیدائش 1 باب)۔ مزید برآں درخت (پیدائش 2 باب 9 آیت) دراصل باغ میں لگائے گئے درخت ہیں نہ کہ روئے زمین کے تمام درخت۔

متی 19 باب کی 3-6 آیات میں جب یسوع شادی کے حوالے سے تعلیم دے رہا تھا تو اُس نے اپنی اُس بات میں پیدائش 1 باب 27 آیت اور پیدائش 2 باب 24 آیت یعنی دونوں ابواب کا حوالہ دیا تھا۔ پس ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یسوع اِن دونوں بیانات کو ایک دوسرے سے متصادم نہیں بلکہ لازم وملزوم سمجھتا تھا۔

اعتراض 7

جب ساتوں دن کے بارے میں بیان کیا گیا ہے تو اُس کے تعلق سے صبح اور شام ہونے کا بیان نہیں ملتا (پیدائش 2 باب 24 آیت)۔ پس اِس سے تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ ہم اب بھی ساتویں دن میں ہی جی رہے ہیں، اور اِس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اِن سب دنوں میں سے کوئی بھی دن عام یا حقیقی دن نہیں ہو سکتا۔

جواب

اِس آرٹیکل میں اوپر ''چھ دن ہی کیوں؟'' والے حصے کو دوبارہ دیکھیں۔خروج 20 باب 11 آیت واضح طور پر سات حقیقی اور عام دنوں کی طرف اشارہ کرتی ہے ـــــ چھ دن کام کے اور ایک دن آرام کا۔ مزید، یہ بھی لکھا ہے کہ خُدا نے چھ دن کام کرنے کے بعد ساتویں دن آرام کیا (نہ کہ وہ آرام کر رہا ہے)۔یہ حقیقت کہ خُدا نے اپنے تخلیقی کام سے آرام کیا اُسے اِس سرگرمی سے مسلسل آرام کرنے سے باز نہیں رکھتی۔خُدا کا کام اب مختلف ہے ـــــ اب اُس کا کام اِس تخلیق کو قائم رکھنا اور گناہ کی بدولت انسان اور اپنے درمیان صلح اور نجات کا کام کرنا ہے۔

لفظ یوم کیساتھ ہندسے دیئے گئے ہیں (پیدائش 2 باب 2-3 آیات) پس سیاق وسباق اب بھی اِس چیز کا واضح تعین کرتا ہے کہ یہ عام شمسی دن ہی ہیں۔مزید برآں خُدا نے ساتویں دن کو برکت دی اور اُسے مقدس ٹھہرایا۔پیدائش 3 باب 17-19 آیات میں ہم گناہ کی بدولت زمین پر آنے والی لعنت کے بارے میں پڑھتے ہیں۔پولس رومیوں 8 باب 22 آیت میں اِس کا حوالہ پیش کرتا ہے۔اگر ساتواں دن ابھی تک چل رہا ہے اور خُدا نے اُسی دن کے اندر اس زمین کو لعنتی قرار دیا تو پھر اس بات کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا کہ خُدا اُسے برکت دے کر مقدس دن بھی ٹھہرائے۔ہم گناہ کی بدولت لعنت زدہ زمین پر رہ رہے ہیں ـــــ ہم اُس ساتویں مبارک دن میں نہیں جی رہے۔

اِس بات پر بھی غور کریں کہ جب اِس نظریے کے حامی یہ بحث کرتے ہیں کہ چونکہ ساتویں دن کیساتھ صبح یا شام کا بیان نہ ہونے کی وجہ سے یہ عام شمسی دن نہیں ہے تو اُس وقت وہ دراصل ضمناً اِس بات پر اتفاق کر رہے ہوتے ہیں کہ دیگر چھ دن اصل میں حقیقی شمسی دن ہیں کیونکہ اُن کیساتھ صبح اور شام کا بیان ہمیں ملتا ہے۔

کچھ لوگ اِس بات پر بھی بحث کرتے ہیں کہ عبرانیوں 4 باب 3-4 آیات اِس بات کی دلالت کرتی ہیں کہ ساتواں دن ابھی تک جاری ہے۔

> ''اور ہم جو ایمان لائے اُس آرام میں داخل ہوتے ہیں جس طرح اُس نے کہا کہ مَیں نے اپنے غضب میں قسم کھائی۔
> کہ یہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائیں گے۔گو بنایِ عالم کے وقت اُس کے کام ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اُس نے
> ساتویں دن کی بابت کسی موقع پر اِس طرح کہا ہے کہ خُدا نے اپنے سب کاموں کو پورا کر کے ساتویں دن آرام کیا۔''

بہر حال آیت 4 زور دیتے ہوئے بیان کرتی ہے کہ خُدا نے ساتویں دن آرام کیا (فعل ماضی)۔اگر کوئی شخص سوموار والے دن یہ بیان دیتا ہے کہ اُس نے جمعے کو آرام کیا اور ابھی تک آرام کر رہا ہے تو اِس کا قطعی طور پر یہ مطلب نہیں ہے کہ جمعہ لمبا ہو کر سوموار تک جاری ہے۔مزید برآں یہاں پر لکھا ہے کہ صرف وہی آرام میں داخل ہونگے جو یسوع پر ایمان لائے ہیں، یہ اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ آرام روحانی نوعیت کا ہے۔جس کا موازنہ اُس آرام کیساتھ کیا گیا ہے جو خدا تخلیقی ہفتے کی تکمیل سے کر رہا ہے۔یہ کسی طرح سے ساتویں دن کا تسلسل نہیں ہے (ورنہ ہر کوئی اُس آرام میں شامل ہوتا۔)[32]

عبرانیوں کا خط یہاں پر یہ ہرگز نہیں کہتا کہ تخلیقی ہفتے کا ساتواں دن ابھی تک جاری ہے بلکہ یہ کہ وہ آرام جو خُدا نے قائم کیا وہ ابھی تک جاری ہے۔

اعتراض 8

پیدائش 2 باب 4 آیت بیان کرتی ہے کہ ''یہ ہے آسمان اور زمین کی پیدائش جب وہ خلق ہوئے جس دن خُداوند خُدا نے زمین وآسمان کو بنایا۔'' جیسے کہ یہ آیت تخلیق کے تمام چھ دنوں کی طرف اشارہ کرتی ہے تو یہاں پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ دن دراصل ایک عام شمسی دن نہیں ہے۔

جواب

یہاں پر استعمال ہونے والے عبرانی لفظ یوم کیساتھ کسی طرح کا کوئی ہندسہ یا فقرات جیسے کہ ''شام اور صبح'' یا ''روشنی اور تاریکی'' استعمال نہیں ہوئے، تو اِس سیاق وسباق کی روشنی میں اس آیت کا مطلب ہے کہ ''جس وقت خُدا نے زمین وآسمان کو تخلیق کیا۔'' (اور اس کا اشارہ تخلیقی ہفتے کی طرف ہے) یا اُس وقت کی طرف جب خُدا نے سب کچھ تخلیق کیا۔

لمبے دنوں اور ایسی تفسیرات کیساتھ دیگر مسائل

- اگر پودے تیسرے دن تخلیق ہوئے تو اُن میں اور پرندوں اور رس چوسنے والی چمگادڑوں (جو پانچویں دن تخلیق ہوئے)، اور حشرات (جو چھٹے دن تخلیق ہوئے) کے درمیان جو پودوں کی زرگی کے لئے انتہائی اہم ہیں کئی ملین سالوں کا فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں تو ایسے پودے اتنے لمبے عرصے تک اپنا وجود بحال ہی نہیں رکھ سکتے۔یہ مسئلہ خاص طور پر ہم زیستانہ تعلق رکھنے والی پودوں کی اجناس کے لئے تو انتہائی سنگین اور شدید ہوگا (جو کہ اپنی بقاء کے لئے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں جیسے کہ یُکا نامی پودا [شمالی امریکہ کے سوسن نما پھولوں کے پودوں کی ایک قسم] اور اُس سے تعلق رکھنے والا ایک خاص پتنگا)۔[33]
- آدم چھٹے دن پیدا ہوا، وہ ساتویں دن کے بعد جیتا رہا اور 930 سال کی عمر پانے کے بعد مرا (پیدائش 5 باب 5 آیت)۔اگر ہر ایک دن ایک ہزار سال یا کئی ملین سال کے برابر تھے تو پھر آدم کی اپنی موت کے وقت عمر بالکل بے معنی چیز بن جاتی ہے۔

- کچھ لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ خروج 20 باب 11 آیت میں ''بنانے'' کے لئے جو لفظ ''آسا'' استعمال ہوا ہے اُس کے اصل معنی ہیں ''ظاہر کیا''۔ وہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ خُدا نے تخلیق کے بارے میں معلومات موسیٰ کو چھ دنوں کے دورانیے میں دکھائی یا اُس پر ظاہر کی۔ پس اِس سے تخلیق کے عمل کی تکمیل کے لئے کئی ملین سالوں کے عرصے پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ بہر حال ''دکھایا'' دراصل لفظ ''آسا'' کا درست ترجمہ نہیں ہے۔ اِس لفظ کے معنی ہیں ''بنانا، ڈھالنا، تیار کرنا، وجود میں لانا، ظہور میں لانا اور کرنا'' وغیرہ لیکن اِس کے معنی دکھانا یا ظاہر کرنا نہیں ہیں[34] جہاں پر لفظ ''آسا'' کا ترجمہ دکھانے کے طور پر کیا گیا ہے—مثال کے طور پر مہربانی ظاہر کرنا (پیدائش 24 باب 12 آیت)—تو یہ کسی کام کے عملی طور پر کرنے کے تعلق سے لکھا گیا ہے جیسے کہ ''کرم کرنا''۔
- کچھ لوگوں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ چوتھے دن سورج، چاند اور ستاروں کو بنانے کے لئے لفظ ''آسا'' استعمال کیا گیا ہے نہ کہ لفظ ''بارا'' جو پیدائش 1 باب 1 آیت میں استعمال ہوا ہے اور جس کے معنی تخلیق کرنا ہیں، اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِس موقع پر خُدا نے سورج، چاند اور ستاروں کو محض ظاہر کیا۔ یہ بات اِس چیز پر بھی زور دیتی ہے کہ لفظ ''آسا'' کے معنی ''ظاہر کرنا'' ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ نیز پہلے سے موجود تھے اور اِس موقعے پر وہ صرف ظاہر کئے گئے ہیں۔ بہر حال اگر غور سے دکھا جائے تو لفظ ''بارا'' اور ''آسا'' دونوں ہی کو پیدائش 1 باب 1 آیت میں زمین و آسمان کی تخلیق کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ زمین پر پیدا ہونے والے پہلے انسانوں کی تخلیق کو بیان کرنے کے لئے بھی لفظ ''آسا'' استعمال کیا گیا ہے—وہ اُس وقت سے پہلے موجود نہیں تھے۔ اور پھر پیدائش 1 باب 27 آیت میں اُن کی تخلیق کے لئے لفظ ''بارا'' استعمال کیا گیا ہے[35] اِسی طرح کی کئی اور مثالیں موجود ہیں۔ لفظ ''آسا'' کے کئی ایک معنی ہیں جیسے کہ ''کچھ کرنا'' یا ''بنانا'' جس میں لفظ ''بارا'' کے معنی ''تخلیق کرنا'' بھی شامل ہیں[36]
- کچھ یہ مانتے ہیں جہاں تک زبان و بیان کا تعلق ہے تو تخلیق کے حوالے سے یہ عام دن ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو یہ تاریخ کے عام حقیقی دن نہیں ہیں۔ یہ دراصل ایک نظریہ ہے جسے ''فریم ورک مفروضہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ بہت ہی پیچیدہ اور سازشی تصور ہے جسے ہمارے علماء نے غلط ثابت کرکے جھٹلا دیا ہوا ہے۔

فریم ورک مفروضے کے اصل مقصد کے بارے میں اندازہ ہم ایک آرٹیکل میں اِس نظریے کے ایک حامی کا بیان پڑھ کر لگا سکتے ہیں۔

''اِس مضمون [آرٹیکل] کا مرکزی مقصد زمین کی عمر کے کم ہونے کا نظریہ رکھنے والے لوگوں کی تخلیقی ہفتے کے بارے میں لغوی تفسیر کی تردید کرنا ہے۔''

- کچھ لوگ بائبل کے تخلیق کے متعلق بیان کو ارتقاء یا کئی بلین سالوں کے نظریے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں تخلیقی دنوں کو لمبے ادوار کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ بہر حال اِن لمبے ادوار کے دوران چیزوں کے وجود میں آنے کی ترتیب پیدائش کے بیان کے ساتھ متفق نہیں ہے۔ ذیل میں پیش کردہ ترتیب کا جائزہ لیجئے۔

ارتقاء/لمبے ادوار اور بائبل کے مطابق تخلیق کے بیانات میں تضادات

تخلیق کا بائبلی بیان	تخلیق کا ارتقائی/لمبے ادوار پر مشتمل بیان
سورج، چاند اور ستاروں سے پہلے زمین کا وجود	زمین سے پہلے سورج اور ستاروں کا وجود
ابتدائی طور پر زمین پانی سے ڈھکی ہوئی	ابتدائی طور پر زمین پگھلے ہوئے مادے کا گولا
پہلے سمندر، پھر خشک زمین	پہلے خشک زمین، پھر سمندر
زندگی پہلے زمین پر تخلیق ہوئی	زندگی سمندروں کے اندر شروع ہوئی
پودے سورج کی تخلیق سے قبل پیدا کئے گئے	پودے سورج کی تخلیق کے بہت بعد وجود میں آئے
زمینی جاندار پرندوں کے بعد تخلیق ہوئے	زمینی جاندار پرندوں سے پہلے موجود تھے
زمینی جانداروں سے پہلے سمندری مچھلیاں جیسے کہ وہیل	وہیل مچھلیوں سے پہلے زمینی جاندار

پس یہ بات واضح ہے کہ وہ لوگ جو کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تخلیق کے تعلق سے چھ حقیقی شمسی دنوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے وہ بائبل کے اِس حوالے پر اپنے پہلے سے لگائے ہوئے اندازوں یا اوہام کا زبردستی اطلاق کر رہے ہوتے ہیں۔

لمبے ادوار کے متعلق سمجھوتے

گیپ تھیوری (وہ نظریہ جس کے مطابق پیدائش پہلے باب کی پہلی دو آیات کے درمیان غیر معینہ مدت کا وقفہ تھا) کے علاوہ دن بطور لمبے ادوار/یا ارتقاء اور پیدائش کی کتاب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے

لئے سمجھوتے کی طرف لے جانے والے بڑے ترین نظریات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1: الٰہیاتی ارتقاء، جس کے مطابق خُدا نے مبینہ طور پر کئی ملین سالوں پر محیط ارتقائی سرگرمی کی نگرانی کی، یا اِس کا آغاز کرنے کے بعد اِسے خودکار طریقے سے کام کرنے دیا۔

2: ترقی پذیر یا بتدریج ارتقاء جس میں خُدا نے کئی ملین سالوں پر محیط دور کے دوران مختلف اوقات میں مبینہ طور پر موت اور انواع کی تخلیق کی کوششوں جیسے عوامل میں مداخلت کی۔

تخلیقی دنوں کو لمبے ادوار مانتے ہوئے سمجھوتے کرنے والے سارے ہی لوگ نوح کے طوفان کی عالمگیر نوعیت کا انکار کرتے ہیں—اُن کے نزدیک نوح کا طوفان محض علاقائی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ فوسلوں کی تہوں کو کئی ملین سالوں کا ثبوت مانتے ہیں۔ اگر نوح کا طوفان عالمگیر تھا تو وہ تو اِس سارے ریکارڈ کو تباہ کر چکا ہوتا اور اُس کی بدولت ایک اور ریکارڈ وجود میں آ چکا ہوتا۔ اِس لئے اُن کے نزدیک ایک تباہ کن عالمگیر طوفان کی صورتحال کو پیدا ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی جو زمین پر نئے سرے سے فوسلوں کی ایک نئی تہہ کو پیدا کرے گا۔ یہ صورتحال واضح طور پر کلام کے خلاف جاتی ہے جو صاف صاف ایک عالمگیر طوفان کے بارے میں ہمیں آگاہی دیتا ہے (پیدائش 6-9 ابواب)۔[38] یہ افسوس کی بات ہے کہ کئی سال پہلے بہت سارے عالمین الٰہیات نے یہ سیکھنے اور جاننے کی بجائے کہ موجودہ دور کی فوسلوں کی تہیں نوح کے طوفان کی بدولت پیدا ہوئیں، ایسے ارتقائی اعتقادات کو بائبل میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

کیا یہ واقعی ہی اہم ہے؟

جی ہاں ایک مسیحی کا پیدائش کے پہلے باب کے بارے میں ایمان واقعی ہی اہم ہے اور اِس سے ہر ایک بات پر بڑا فرق پڑتا ہے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ سب تدبیریں اور منصوبے جو تخلیق سے پہلے یا اُس کے بعد کئی ملین سالوں کے ادوار کا اضافہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں وہ دراصل انسان کے گناہ میں گرنے سے پہلے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے (دیکھئے اعتراض 1 کا جواب) موت، خونریزی، بیماریوں، کانٹوں اور اونٹ کٹاروں کیساتھ ساتھ مصیبتوں کو ظاہر کر کے انجیل کی اہمیت اور ضرورت کو بہت زیادہ گھٹاتی ہیں۔ ذیل میں اِس بات کو واضح کرنے کے لئے دو اور وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

1: ہمارا بائبل کو مطالعاتی اصول کے مطابق پڑھنے اور سمجھنے کے لیے رویہ بہت ہی اہم نوعیت کا معاملہ ہے۔ اگر ہم بائبل کی زبان کو اُس کے سیاق و سباق کے مطابق اپنے آپ سے کلام نہیں کرنے دیتے بلکہ اِس کے برعکس بائبل کے متن کو کلام سے باہر کے اپنے تصورات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر بائبل کے کسی بھی حصے کے کسی بھی لفظ کے مطلب کا انحصار انسانی تفسیر پر ہوگا جو وقت کے ساتھ مقبول عام نظریات کے مطابق بدلتی جائے گی۔

2: اگر ہم سائنس کو (جو کہ ارتقاء اور مادیت پرستی کی ہم معنی بن چکی ہے) کلام مُقدس کے کسی حصے کے بارے میں اپنی سوجھ بوجھ کا تعین کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو یہ باقی کلام کے حوالے سے ہمیں ایک پھسلنے والی ڈھلوان کی طرف لے جائے گی۔ مثال کے طور پر سائنس یہ دعویٰ کرے گی کہ کوئی شخص مُردوں میں سے نہیں جی اُٹھ سکتا۔ تو پھر کیا اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے حوالے سے اِس تصور کی روشنی میں غور و فکر کریں؟ افسوس کی بات ہے کہ کئی ایک لوگ ایسا ہی کہتے ہیں کہ یسوع کے جی اُٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی تعلیمات اُس کے پیروکاروں میں زندہ ہیں۔

جب لوگ پیدائش کی کتاب کو اُس کے سادہ بیان کے طور پر ہی پڑھ کر قبول کرتے ہیں اور اُس میں تخلیق کے حوالے سے بیان کردہ دنوں کو عام شمسی دنوں کے طور پر ہی قبول کرتے ہیں تو اُنہیں باقی کی ساری بائبل کے بیان اور پیغام کو قبول کرنے اور سمجھنے میں قطعاً کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔

مارٹن لوتھر نے ایک دفعہ کہا تھا کہ

مَیں نے یہ اکثر کہا ہے کہ جو کوئی بھی کلام مُقدس کا مطالعہ کرتا ہے اُسے اِس چیز کے بارے میں یقین کر لینا چاہیے کہ وہ الفاظ کو اُن کے سادہ معنوں میں سمجھتا رہے اور کسی طور پر بھی اِس بات سے دور نہ ہٹے جب تک ایمان کی کوئی شق اُسے دوسرے طور پر سمجھنے کے لئے مجبور نہ کرے۔ اور یہاں سے ہمیں اِس بات کے بارے میں پر یقین ہونا چاہیے کہ اِس زمین پر اُس سے واضح تر کوئی بات نہیں سنی گئی جو خُدا نے خود کہی ہے۔[39]

خالص کلام

خُدا کے لوگوں کو اِس بات کا احساس کرنے کی ضرورت ہے کہ خُدا کا کلام بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ یہ کسی طرح سے محض انسانوں کا کلام نہیں ہے۔ جیسے کہ پولس نے 1 تھسلنیکیوں 2 باب 13 آیت میں کہا ہے کہ ''اِس واسطے ہم بھی بلا ناغہ خُدا کا شکر کرتے ہیں کہ جب خُدا کا پیغام ہماری معرفت تمہارے پاس پہنچا تو تم نے اُسے آدمیوں کا کلام سمجھ کر نہیں بلکہ (جیسا حقیقت میں ہے) خُدا کا کلام جان کر قبول کیا۔''

امثال 30 باب 5-6 بیان کرتی ہیں کہ ''خُدا کا ہر ایک سخن پاک ہے۔۔۔ تُو اُس کے کلام میں کچھ نہ بڑھانا مبادا وہ تم کو تنبیہ کرے اور تُو جھوٹا ٹھہرے۔'' بائبل کو محض کسی اچھے ادبی کام کے طور پر ہی نہیں قبول کیا

جا سکتا، کیونکہ خُدا کا کلام اِس سے بہت بڑھ کر ہے۔ اُس کے کلام کی قدرت کی بدولت تو ہمیں کانپ اُٹھنا چاہیے (یسعیاہ 6 باب 5 آیت) اور کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ

''ہر ایک صحیفہ جو خُدا کے الہام سے ہے وہ تعلیم اور الزام اور اصلاح اور راستبازی میں
تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند بھی ہے۔ تاکہ مردِ خُدا کامل بنے اور ہر ایک نیک
کام کے لئے بالکل تیار ہو جائے۔''

بائبل کے اصل قلمی مسودات میں اُسکا ہر ایک لفظ اور حرف اپنی اصل حالت میں اِس لئے موجود ہے کیونکہ خُدا نے اُسے وہاں پر رکھا ہے۔ آئیں ہم خُدا کو اُسکے کلام کے وسیلے سے اپنے ساتھ کلام کرتے ہوئے سنیں اور تکبرانہ اور خود پسندانہ طور پر ہم اُسے نہ بتائیں کہ بائبل میں کس جگہ پر اُس کے کلام کا کیا مطلب ہے۔

اقتباسات وکتابیات

1: M. Van Bebber and P. Taylor, Creation and Time: A Report on the Progressive Creationist Book by Hugh Ross, Films for Christ, Mesa, Arizona, 1994.

2: G. Hasel, The “days” of creation in Genesis 1: literal “days” or figurative “periods/epochs” of time? Origins 21(1):5–38, 1994.

3: Martin Luther as cited in E. Plass, What Martin Luther Says: A Practical In-Home Anthology for the Active Christian, Concordia Publishing House, St. Louis, Missouri, 1991, 1523.

4: G. Archer, A Survey of Old Testament Introduction, Moody Press, Chicago, 1994, 196–197.

5: J. Boice, Genesis: An Expositional Commentary, Vol. 1, Genesis 1:1–11, Zondervan Publishing House, Grand Rapids, 1982, 68.

6: C.H. Spurgeon, The Sword and the Trowel, 1877, 197.

7: L. Berkhof, Introductory volume to Systematic Theology, Wm. B. Eerdmans, Grand Rapids, Michigan, 1946, 60, 96.

8: F. Brown, S. Driver, and C. Briggs, A Hebrew and English Lexicon of the Old Testament, Clarendon Press, Oxford, 1951, 398.

9: Some say that Hosea 6:2 is an exception to this because of the figurative language. However, the Hebrew idiomatic expression used, “After two days ... in the third day,” meaning “in a short time,” makes sense only if “day” is understood in its normal sense.

10: J. Stambaugh, The days of creation: a semantic approach, TJ 5(1):70–78, April 1991. Available online at www.answersingenesis.org/go/days.

11: The Jews start their day in the evening (sundown followed by night), obviously based on the fact that Genesis begins the day with the “evening.”

12: Stambaugh, The Days of Creation: A Semantic Approach, 75.

13: Ibid., 72.

14: Ibid., 72–73.

15: Stambaugh, The Days of Creation: A Semantic Approach, 73–74; R. Grigg, How long were the days of Genesis 1? Creation 19(1):23–25, 1996. Available online at www.answersingenesis.org/creation/v19/i1/days.asp.

16: J. Barr, personal letter to David Watson, April 23, 1984.

17: M. Dods, Expositor’s Bible, T & T Clark, Edinburgh, 1888, 4, as cited by D. Kelly, Creation and Change, Christian Focus Publications, Fearn, Scotland, 1997, 112.

18: Plass, What Martin Luther Says: A Practical In-Home Anthology for the Active Christian, 1523.

19: J. McNeil, Ed., Calvin: Institutes of the Christian Religion 1, Westminster Press, Louisville, Kentucky, 1960, 160–161, 182.

20: G. Hasel, The “days” of creation in Genesis 1: literal “days” or figurative “periods/epochs” of time? Origins 21(1):29, 1994.

21: J. Whitcomb and H. Morris, The Genesis Flood, Presbyterian and Reformed Publ., Phillipsburg, New Jersey, 1961, 481–483, Appendix II. They allow for the possibility of gaps in the genealogies because the word “begat” can skip generations. However, they point out that even allowing for gaps would give a maximum age of around 10,000 years.

22: L. Pierce, The forgotten archbishop, Creation 20(2):42–43, 1998. Ussher carried out a very scholarly work in adding up all the years in Scripture to obtain a date of creation of 4004 BC. Ussher has been mocked for stating that creation occurred on October 23—he obtained this date by working backward using the Jewish civil year and accounting for how the year and month were derived over the years. Thus, he didn’t just pull this date out of the air but gave a scholarly mathematical basis for it. This is not to say this is the correct date, as there are assumptions involved, but the point is, his work is not to be scoffed at. Ussher did not specify the hour of the day for creation, as some skeptics assert. Young’s Analytical Concordance, under “creation,” lists many other authorities, including extrabiblical ones, who all give a date for creation of less than 10,000 years ago.

23: See chapters 7 and 9 on these dating methods to see the assumptions involved. See also H. Morris and J. Morris, Science, Scripture, and the Young Earth, Institute for Creation Research, El Cajon, California, 1989, 39–44; J. Morris, The Young Earth, Master Books, Green Forest, Arkansas, 1996, 51–67; S. Austin, Grand Canyon: Monument to Catastrophe, Institute for Creation Research, El Cajon, California, pp. 1994, 111–131; L. Vardiman, ed., Radio Isotopes and the Age of the Earth, Vol. 2, Master Books, Green Forest, Arkansas, 2005.

24: K. Ham, The Lie: Evolution , Master Books, Green Forest, Arkansas, Introduction, 1987, xiii–xiv; K. Ham, The necessity for believing in six literal days, Creation 18(1):38–41, 1996; K. Ham, The Wrong Way Round! Creation 18(3):38–41, 1996; K. Ham, Fathers, Promises and Vegemite, Creation 19(1):14–17, 1997; K. Ham, The Narrow Road, Creation 19(2):47–49, 1997; K. Ham, Millions of Years and the 'Doctrine of Balaam', Creation 19(3):15–17, 1997.

25: J. Gill, A Body of Doctrinal and Practical Divinity, 1760. Republished by Primitive Baptist Library, Carthage, Illinois, 1980, 191. This is not just a new idea from modern scholars. In 1760 John Gill, in his commentaries, insisted there was no death, bloodshed, disease, or suffering before sin.

26: All Eve’s progeny, except the God-man Jesus Christ, were born with original sin (Romans 5:12, 18–19), so Eve could not have conceived when she was sinless. So the Fall must have occurred fairly quickly, before Eve had conceived any children (they were told to “be fruitful and multiply”).

27: Some people ask why God did not tell us the source of this light. However, if God told us everything, we would have so many books we would not have time to read them. God has given us all the information we need to come to the right conclusions about the things that really matter.

28: L. Lavallee, The early church defended creation science, Impact, No. 160, p. ii, 1986. Quotation from Theophilus “To Autolycus,” 2.8, Oxford Early Christian Texts.

29: The Jews had three watches during the night (sunset to 10 pm; 10 pm to 2 am; 2 am to sunrise), but the Romans had four watches, beginning at 6 pm.

30: R. Grigg, Naming the animals: all in a day’s work for Adam, Creation 18(4):46–49, 1996.

31: D. Batten, Genesis contradictions? Creation 18(4):44–45, 1996; M. Kruger, An understanding of Genesis 2:5, CEN Technical Journal 11(1):106–110, 1997.
32: Anon., Is the Seventh Day an eternal day? Creation 21(3):44–45, 1999.
33: F. Meldau, Why We Believe in Creation Not in Evolution, Christian Victory Publ., Denver, Colorado, 1972, 114–116.
34: Nothing in Gesenius's Lexicon supports the interpretation of asah as "show"; See Charles Taylor's "Days of Revelation or creation?" (1997) found at www.answersingenesis.org/docs/188.asp.
35: M. Kline, Because it had not rained, Westminster Theological Journal 20:146–157, 1957– 1958.
36: Kruger, An understanding of Genesis 2:5, 106–110; J. Pipa, From chaos to cosmos: a critique of the framework hypothesis, presented at the Far-Western Regional Annual Meeting of the Evangelical Theological Society, USA, April 26, 1996; Wayne Grudem's Systematic Theology, InterVarsity Press, Downers Grove, Illinois, 1994, 302–305, summarizes the framework hypothesis and its problems and inconsistencies.
37: M. Kline, Space and time in the Genesis cosmology, Perspectives on Science & Christian Faith 48(1), 1996.
38: M. Van Bebber and P. Taylor, Creation and Time: A Report on the Progressive Creationist Book by Hugh Ross, 55–59; Whitcomb and Morris, The Genesis Flood, 212–330.
39: Plass, What Martin Luther Says: A Practical In-Home Anthology for the Active Christian, 93.

2016© جملہ حقوق بحق Answers in Genesis محفوظ ہیں!